اسلامی تاریخ میں علماء اور حکّام کا کردار

شیخ عبدالعزیز بدری، عراق

ترجمہ: خلیل حامدی صاحب

فریضۂ امر بالمعروف اللہ تعالیٰ نے اسلام کو انسانی زندگی کا مکمل نظام قرار دیا ہے اور اسلامی عقیدہ کو قیامت تک کے لیے انسانیت کے لیے فلاح و سعادت کا موجب ٹھیرایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام میں سیاسی طاقت کو خاص اہمیت دی ہے اور اس کا اصل مدّعا اسلامی نظام کا عملی نفاذ، دنیا میں عقیدۂ اسلامی کی اشاعت اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انسانوں کے معاملاتِ زندگی کی نگرانی ہے۔ یہ سیاسی اقتدار امّت کے ہر ہر فرد کو سونپا گیا ہے، لیکن چونکہ مجموعی طور پر امّت کا ہر ہر فرد اس اقتدار کو ہاتھ میں نہیں لے سکتا اس لیے امت اپنے اندر سے ایک ایسے شخص کو منتخب کرے گی جو نیابتًہ اس اقتدار کو قائم کرے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے امّت کے ہر ہر فرد کا یہ حق باقی رکھا ہے کہ وہ صاحبِ اقتدار کا محاسبہ کرے، اور اگر وہ امت کے معاملات کی دیکھ بھال میں کوتاہی برت رہا ہو یا احکامِ اسلام کے نفاذ سے منحرف ہو گیا ہو، یا اُس نے اسلام کی اشاعت کو ترک کر رکھا ہو تو اس کی پوری پوری باز پرس کرے۔ اسلام نے صاحبِ اقتدار شخص کے محاسبہ کو محض امّت کا ایک حق ہی نہیں قرار دیا کہ اس حق کے ترک و اختیار میں اُسے آزادی ہو بلکہ اسے عام مسلمانوں کے لیے فرض اور علماء کے لیے فرضِ عین قرار دیا۔ اس لیے کہ علماء ہی امّت کے حقیقی پیشوا اور امّت کا باشعور گروہ شمار ہوتے ہیں، دین کے نگہبان اور احکامِ دین کے مبلّغ اور داعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (آل عمران: ۱۰۴)	تم میں سے ایک گروہ ضرور ایسا ہونا چاہیے جو بھلائی کی دعوت دے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

اور جیسا کہ امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ نے اپنے جدّ امجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے: انکارِ منکر سے مراد محاسبہ ہے، اور امر بالمعروف سے مراد وہ نصیحت ہے جو بھلائی کی دعوت پر مبنی ہو، اور بھلائی نام ہے قرآن کریم کے اتباع اور سنّت مطہرہ کی پیروی کا۔[۱]

جو شخص اسلام کے اِس مقصد کو قائم نہیں کرتا اور اس فرض کو ادا کرنے میں کوتاہی برتتا ہے، اسلام اُسے مستوجب سزا ٹھیراتا ہے، اُس کے بارے میں متعدد تہدیدیں اور وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے:

من رأی سلطاناً جائراً مستحلاً لحرام اللہ ناکثاً لعہد اللہ مخالفاً لسنۃ رسول اللہ ما یعمل فی عباد اللہ بالاثم والعدوان فلم یغیّر بقول ولا فعل کان حقاً علی اللہ ان ید خلہ مدخلہ[۲]	جو شخص کسی صاحبِ اقتدار کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ وہ ظلم وستم کر رہا ہے، اللہ کی حرمتوں کو حلال ٹھیرا رہا ہے، اللہ کے عہد توڑ رہا ہے، رسولِ خدا کی سنت کی خلاف ورزی کر رہا ہے، خلقِ خدا کے ساتھ گناہ اور زیادتی کا سلوک کر رہا ہے، اور پھر وہ اُسے زبان یا عمل سے بدلنے کی کوشش نہیں کرتا تو اللہ کے لیے یہ حق ہے کہ وہ اُسے بھی وہیں داخل کرے جہاں اس (صاحبِ اقتدار) کو داخل کرے گا۔

ظاہر ہے کہ ظالم حکمران کا انجام دوزخ ہے، اور قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا نشانہ ہوگا۔ پس اس ارشادِ نبوی کی رُو سے ویسا ہی انجام اُس شخص کا بھی ہوگا جس نے ظالم حکمران کا محاسبہ نہ کیا اور اُسے غلط کاموں پر نہ ٹوکا۔ رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ایک اور ارشاد ہے:

والذی نفسی بیدہٖ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر ولتاخذن علی ید الظالم	اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم پر لازم ہے کہ نیکی کا حکم دو اور بدی سے روکو اور

---

[۱] امام موصوفؒ کا یہ قول ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

[۲] طبری نے اس ارشاد کو تاریخ میں اور ابن اثیر نے کامل میں نقل کیا ہے۔

ولتأطرنه على الحق أطرا ولتقصرنه على الحق قصرا اوليضربن الله بقلوب بعضكم على بعض وليلعنكم كما لعن بني اسرائيل۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)	ظالم کا ہاتھ پکڑ لو اور اُسے حق کی طرف موڑ دو، اور اس کو حق پر ٹھیرنے کے لیے مجبور کرو ورنہ اللہ تمہارے دلوں کی برائیاں ایک دوسرے پر مسلّط کر دے گا یا تم پر اُسی طرح لعنت کرے گا جس طرح بنی اسرائیل پر کی۔

جو لوگ حکام کا محاسبہ و تنقید کرتے ہیں اور بروقت اُن کے بُرے کاموں پر انہیں نکیر کرتے ہیں ان لوگوں کی عاقبت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ بشارت دی ہے کہ وہ شہداء کے زمرے میں شامل ہوں گے، بلکہ شہداء کے سردار ہوں گے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان مبارک ہے:

سيد الشهداء حمزة بن عبد المطلب و رجل قام الى امام ظالم فامره ونهاه فقتله (حاکم نے اسے بسند صحیح روایت کیا ہے)	شہداء کے سردار حمزہ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص ہے جو ظالم حکمران کے سامنے کھڑا ہوا اور اُسے نیکی کی تلقین کی اور بُرائی سے منع کیا اور اُس حاکم نے اُسے قتل کر دیا۔

انہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ اللہ کے عذاب اور اُس کی سزا کی سختیوں سے نجات پانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ۔ (اعراف: ۱۶۵)	اور جب وہ اُن ہدایات کو فراموش کر گئے جو انہیں یاد کرائی گئی تھیں تو ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو بُرائی سے روکتے تھے اور باقی سب لوگوں کو جو ظالم تھے ان کی نافرمانیوں پر سخت عذاب میں پکڑ لیا۔

امتِ مسلمہ کو بہترین امت ہونے کا جو منصب دیا گیا ہے وہ منصب اسی فرض کے قیام کے ساتھ مشروط ہے۔ جب تک یہ امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کاربند رہے گی اُسے خیر امت ہونے کا شرف حاصل رہے گا، ورنہ اُس سے یہ شرف چھن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ۔	تم وہ بہترین امت ہو جسے انسانوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور

وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۔ (آل عمران - ۱۱۰) اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

نیک حکمران ہمیشہ تنقید برداشت کرتے رہے ہیں امتِ مسلمہ کے اسلاف میں جو نیک نہاد اور صالح حکمران تھے وہ امت کے حقِ محاسبہ و تنقید کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھتے تھے اور اسے عملاً تسلیم کرتے تھے۔ اور انہیں اس امر کا بھی پورا احساس تھا کہ انکارِ منکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مسلمان کا فرض ٹھیرایا گیا ہے، چنانچہ انہوں نے ہمیشہ ہر شخص کو تنقید و محاسبہ اور انکارِ منکر کا حق دیا اور غیر مشروط طور پر اس فرض کو بروئے کار لانے کی اجازت دی۔ بلکہ ہمیں ایسے پاکیزہ نفس اور وسیع الظرف حکمران بھی اسلامی تاریخ میں ملتے ہیں جنہوں نے از خود امت سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کے اعمال پہ کڑی نظر رکھی جائے اور اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو تو اس کی اصلاح کی جائے اور جب تک وہ حکومت اور اقتدار کو اخلاص کے ساتھ استعمال کرتے ہیں اور اس سے ذاتی اغراض کے بجائے محض اللہ کی خوشنودی کے طلبگار رہیں، محاسبہ اور اصلاح کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔

تنقید کے بارے میں اسلام کے خلیفۂ اوّل کا رویّہ اس کی سب سے نمایاں مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے خلیفۂ اوّل ہیں۔ آپ نے جب حکومت کی زمام ہاتھ میں لی تو مسلمانوں سے فرمایا:

فان احسنت فاعینونی وان اساءت فقوموني، اطیعوني ما اطعت الله ورسوله فیکم (اگر میں درست کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر غلط روش اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو، اور میری اطاعت کرو جب تک میں تمہارے درمیان اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرتا رہوں۔

خلیفۂ دوم کی مثال دوسری مثال امیرالمومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی پیش کی جا سکتی ہے۔ امیرالمومنین نے واشگاف الفاظ میں فرمایا تھا: من رأى منكم فيّ اعوجاجا فليقوّمه (تم میں سے جس شخص کو میرے اندر کوئی کجی نظر آئے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے سیدھا کر دے)۔ کجی کو سیدھا کرنے سے مراد محاسبہ اور تنقید ہی ہے جس حکمران کے ہاتھ میں مسلمانوں کے معاملات کی زمام کار ہے اسلام اس پر یہ لازم ٹھیراتا ہے کہ وہ کشادہ دلی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ محاسبہ اور تنقید کی آواز کو سنے، اور اگر یہ محاسبہ اسلام کے احکام کے مطابق ہو تو اسے قبول کرے۔ اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کو اس بنا پر سزا دے کہ اس نے اس پر تنقید کی ہے، خواہ یہ تنقید کتنی ہی تند و تیز کیوں نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ مطالبہ کیا کہ ان کے اندر کوئی کجی ہو

تو اُسے سیدھا کر دیا جائے تو اُس کے جواب میں ایک اعرابی نے اٹھ کر جو کچھ کہا تھا وہ بھی سننے کے قابل ہے۔ اعرابی نے کہا: واللہ یا عمر، لو رأینا فیك اعوجاجا لقوّمناہ بحد سیوفنا (بخدا اے عمرؓ اگر ہم نے تمہارے اندر کوئی کجی دیکھی تو اسے اپنی تلواروں کی دھار سے سیدھا کر دیں گے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اعرابی کے جواب کو نہ صرف درست سمجھا بلکہ اس پر مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا: الحمد للہ جعل فی امۃ محمد من یقوّم عمر بسیفہ (شکر ہے اُس خدا کا جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی امت کے اندر ایسے لوگ مہیا فرما دیئے ہیں جو عمرؓ کو اپنی تلوار سے سیدھا کریں گے)۔ سیدنا عمرؓ اس بات پر خوش تھے کہ ان کی کجی کو درست کر دیا جائے اور بزورِ شمشیر ــــ ہاں بزورِ شمشیر! ــــ ان کی غلطیوں کی تصیح کی جائے۔ مگر موجودہ دور کے حکمرانوں اور ان کے ملازموں کو دیکھیں تو وہ بزورِ شمشیر تو کجا، یہ تک برداشت نہیں کرتے کہ محض زبان یا قلم سے اُن کی غلطی اُن پر واضح کر دی جائے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا تھا: "اِتَّقِ اللّٰہَ یا عمر" (اے عمر خدا سے ڈر)۔ اس پر حاضرین میں سے ایک شخص نے اُسے ٹوکا، اور کہا کہ امیرالمومنین کے حق میں ایسے الفاظ کہتے ہو؟ مگر سیدنا عمرؓ نے ٹوکنے والے شخص کو ڈانٹا اور اپنا وہ مشہور قول بیان کیا جو ہر صالح حکمران کے لیے ایک مثال قرار پا چکا ہے۔ انہوں نے فرمایا: لاخیر فیکم ان لم تقولوھا و لاخیر فینا ان لم نسمعھا (اگر تم لوگ ایسی بات نہ کہو تو تمہارے اندر کوئی بھلائی نہیں۔ اور اگر ہم ایسی بات نہ سنیں تو ہمارے اندر کوئی بھلائی نہیں۔

اس معاملے میں حضرت علیؓ کی ہدایات امیرالمومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام والیوں اور عمّال کو یہ تلقین کر دی تھی کہ جب تک محاسبہ اور تنقید میں اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی روح کارفرما ہو اُس وقت تک وہ ہر محاسبہ کرنے والے کا محاسبہ قبول کرتے رہیں۔ امیرالمومنین فرماتے ہیں: فطوبیٰ لذی قلب سلیم اطاع من یھدیہ وتجنب من یردیہ واصاب السلامۃ ببصر من بصّرہ وطاعۃ ھادٍ امرہ[1]۔ (مژدہ باد اُس پاکیزہ دل انسان کے لیے جس نے اُس شخص کی فرمانبرداری کی جو اُسے سیدھی راہ بتاتا ہے اور اُس شخص سے اجتناب کیا جو اُسے تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اُس نے حقیقت سے آگاہ کر دینے والے شخص

[1] نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۲۲

کی بینائی اور راہ یاب شخص کی اطاعت کی بدولت سلامتی کا راستہ پالیا)۔

امیر معاویہؓ کا تحمل | ایک شخص نے امیرالمومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ درشت کلامی کی۔ آپؓ سے کہا گیا کہ ایسی درشت کلامی پر بھی آپ بُردباری برتتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا: "جب تک لوگ ہمارے اور اقتدار کے درمیان حائل نہیں ہوتے میں اُن کے اور اُن کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوں گا"۔[1]

علمائے امت کی حق گوئی | یہ تو تھا حکمرانوں کا نمونہ۔ اب ہم ذیل میں اسلامی عہد کے علماء کی سیرت کے چند واقعات پیش کرتے ہیں جو محاسبہ حکام کی منہ بولتی تصویریں ہیں اور جن سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امت نے اس اہم فرض کو کس طرح قائم کیا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک مرتبہ مسلمانوں کو غنیمت میں یمن کی چادریں ملیں۔ امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ نے انتہائی عدل و انصاف کے ساتھ ان چادروں کو تقسیم کر دیا۔ عام مسلمانوں کی طرح اُن کے حصّہ میں بھی ایک چادر آئی اور ان کے لڑکے عبداللہ کو بھی ایک چادر ملی۔ حضرت عمرؓ کو ایک کُرتہ کی ضرورت تھی۔ چونکہ آپ دراز قامت تھے، اس لیے آپؓ کے لڑکے عبداللہؓ نے اپنے حصّہ کی چادر بھی آپ کو دے دی تاکہ آپ اپنے قد کے مطابق کُرتہ سلوا سکیں۔ آپ نیا کرتہ پہنے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ پہلے آپ نے اللہ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا بیان فرمائی اور پھر کہا: "لوگو! سنو اور اطاعت کرو"۔ آپؓ نے ابھی اتنا ہی فرمایا تھا کہ ایک جلیل القدر صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کھڑے ہو گئے اور بولے "ہمارے اُوپر آپ کی بات سُننا اور اطاعت کرنا واجب نہیں رہا"۔ آپ نے پوچھا: "کیوں"؟ سلمان فارسیؓ نے جواب دیا: "آپ کو یہ کُرتہ کہاں سے مل گیا ہے، حالانکہ آپ کو صرف ایک چادر ملی ہے اور آپ دراز قد ہیں۔ ایک چادر سے آپ کا کُرتہ تیار نہیں ہو سکتا"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "جلد بازی سے کام نہ لو"۔ پھر آپ نے عبداللہ کو پکارا۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ آپ نے آواز دی: "اے عمرؓ کے بیٹے عبداللہ"۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: "لبیک یا امیرالمومنین!" آپ نے فرمایا: میں تجھے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ جو چادر میں نے پہن رکھی ہے کیا یہ تیری چادر ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: خدا شاہد ہے کہ یہ میری چادر ہے"۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے جب عبداللہ بن عمرؓ کا یہ

[1] یہ واقعہ سراج الملوک کے مصنف نے نقل کیا ہے۔

جواب سنا تو کہا: اے امیر المومنین آپ حکم دیں، ہم سنیں گے اور پوری پوری اطاعت کریں گے۔[۱]

ایک روز امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے عطایا بند کر دیئے تھے۔ چنانچہ منبر پر چڑھ کر جب انہوں نے یہ فرمایا کہ "لوگو! سنو اور اطاعت کرو" ابو مسلم خولانی کھڑے ہو گئے اور امیر المومنین کے تصرف بے جا پر گرفت کی، اور کہا: اے معاویہ! ہم آپ کی بات نہ سنیں گے اور نہ آپ کی اطاعت کریں گے" حضرت معاویہؓ نے دریافت کیا: کیوں اے ابو مسلم! ابو مسلم نے جواب دیا: معاویہؓ تم عطایا کو کیسے بند کر سکتے ہو۔ یہ تمہاری یا تمہارے ماں باپ کی کمائی سے جاری نہیں کیے گئے۔ حضرت معاویہؓ یہ کلام سن کر غضب ناک ہو گئے۔ منبر سے اتر آئے اور حاضرین سے کہا کہ تم سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ کچھ دیر تک لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گئے اور پھر نہا کر دوبارہ آئے، اور فرمایا: ابو مسلم نے مجھ سے ایسی بات کہی ہے جس کی وجہ سے مجھے طیش آگیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "غصہ شیطان کی اکساہٹ سے پیدا ہوتا ہے اور شیطان کی تخلیق آگ سے کی گئی ہے۔ اور آگ کو پانی سے بجھایا جا سکتا ہے۔ پس جب کسی شخص کو غصہ آئے تو وہ نہا لے۔" چنانچہ میں نے گھر جا کر غسل کیا ہے۔ ابو مسلم نے صحیح کہا ہے کہ یہ عطایا میری یا میرے باپ کی کمائی میں سے نہیں ہیں۔ پس لوگو! اپنے اپنے عطایا وصول کر لو۔"[۲]

اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ اس قصہ میں ایک طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں جو اپنے حلم میں نامور تھے اور دوسرے ابو مسلم خولانی ہیں۔ اور یہ وہ دور تھا کہ امتِ مسلمہ کے حکام اور رعایا دونوں خیر پر قائم تھے۔ تو ہم اس سے اگلے دور کی مثال پیش کرتے ہیں:

امام سفیان ثوریؒ بیان کرتے ہیں جب خلیفہ المہدی حج کو گیا تو اس نے کہا کہ سفیان کو میرے سامنے حاضر کیا جائے۔ چنانچہ مہدی کے آدمیوں نے میرے گھر کا محاصرہ کر لیا اور مجھے رات کے وقت گرفتار کر کے لے گئے۔ جب میں مہدی کے سامنے حاضر ہوا تو مہدی نے مجھے اپنے قریب بٹھا لیا اور مجھ سے کہا تم ہمارے

---

[۱] العدالۃ الاجتماعیہ از سید قطب

[۲] اس قصہ کو ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں روایت کیا ہے۔ امام غزالیؒ نے اسے احیاء العلوم ج ۵ ص ۔۔ میں نقل کیا ہے۔

پاس کیوں نہیں آتے تاکہ ہم اپنے معاملات میں تم سے مشورہ کیا کریں۔ جس بات کا تم حکم کروگے ہم اُسے اختیار کریں گے اور جس سے روکو گے اُس سے باز رہیں گے" میں نے پوچھا: "اس سفر میں تم نے کتنا خرچ کیا ہے"؟ مہدی نے کہا: "مجھے کچھ معلوم نہیں ہے، میرے خزانچی اور سکرٹری ہی یہ بتا سکتے ہیں"۔ میں نے کہا: "کل قیامت کے روز جب تو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا اور ان مصارف کے بارے میں تجھ سے سوال ہوگا تو تو کیا عذر پیش کرے گا؟ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب حج کیا تھا تو انہوں نے اپنے غلام سے پوچھا کہ اس سفر میں کتنا خرچ ہو چکا ہے؟ اُس نے بتایا کہ اٹھارہ دینار خرچ ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے سُن کر کہا: ستیاناس ہو ہم نے مسلمانوں کے بیت المال پر بہت بار ڈال دیا ہے۔ اور کیا تیرے علم میں وہ روایت بھی ہے جو منصور بن عمار نے ہم سے بیان کی ہے؟ بلکہ تو خود اس مجلس میں موجود تھا اور اس روایت کو قلمبند کرنے والا تھا منصور نے ابراہیم اور اسود کے واسطے سے حضرت علقمہ کی یہ روایت بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: رب متخوض فی مال اللہ ومال رسول اللہ فیما شاءت نفسہ لہ النار غدا (اللہ کے مال اور اللہ کے رسول کے مال کو خواہشاتِ نفس کے مطابق صرف کرنے والے کچھ لوگ وہ ہیں جنہیں کل کو آتشِ دوزخ میں ڈالا جائے گا)۔ مہدی کے ایک حاشیہ بردار کاتب (سکرٹری) ابو عبید نے کہا: "امیر المومنین کے سامنے ایسی بات کہی جا رہی ہے"؟ حضرت سفیان ثوریؒ نے مومنانہ طاقت اور ایک مسلمان کی غیرت کے ساتھ جواب دیا: چپ رہ، فرعون نے ہامان کو اور ہامان نے فرعون کو اسی طرح برباد کیا تھا! یہ کہہ کر حضرت سفیان باہر چلے آئے[1]

(باقی)

---

[1] سراج الملوک ص ۵۱۔